© rasailojaraid.com

Majallah Tahqiq
Research Journal of the
Faculty of Oriental Learning
Vol: 38, Sr.No.109, 2017 pp 95 - 102

مجلہ تحقیق
مجلہ کلیہ علوم شرقیہ
جلد ۳۸، اکتوبر۔دسمبر ۲۰۱۷ء، شمارہ ۱۰۹

میرزا ادیب کی خودنوشت ''مٹی کا دیا''۔ایک مطالعہ

☆ڈاکٹر طاہرہ سرور

Abstract:

Mirza Adeeb,also known as Meerza Adeeb,was a urdu writer of drama and short story.His playsand short stories won him six prizes and awards from the Pakistan Writers Guild.He also wrote critical essays and commentaries on books,besides writing columns in news papers.He also translated some American stories to urdu. Furthermore, he wrote numerous stories for children.This article is about Meerza Adeeb's introduction and critical analysis of his book,"Mitti Ka Diya".

میرزا ادیب اردو کی ممتاز ترین ادبی شخصیات میں سے ایک ہیں۔ان کا اصل نام دلاور علی ہے ۴ار اپریل ۱۹۱۴ء کو لاہور میں پیدا ہوئے۔ذہن ادب کی طرف مائل تھا لہذا تعلیم سے فراغت کے بعد اس وقت کے مشہور ادبی جریدے ''ادب لطیف'' کی ادارت کے فرائض انجام دیئے پھر بمبئی چلے گئے۔۱۹۴۴ء میں آل انڈیا ریڈیو کے لاہور سٹیشن سے وابستہ ہوئے۔۱۹۴۹ء تا ۱۹۶۲ء دوبارہ ''ادب لطیف'' کی صدارت کی۔ ۱۹۶۳ء میں دوبارہ لاہور ریڈیو سے وابستہ ہوئے۔۱۹۷۶ء میں ملازمت سے ریٹائر ہوئے۔روزنامہ نوائے وقت، لاہور میں ہفتہ وار ادبی کالم شروع کیا۔تصانیف میں ''صحرا نورد کے خطوط''(۱۹۴۰ء)، ''صحرا کے رومان''(۱۹۴۲ء)، صحرانورد کا نیا خط''(۱۹۴۰)، مختصر افسانے ''لاوا''(۱۹۴۷ء)، ''دیواریں''(۱۹۴۷ء)، ''حسرت تعمیر'' (۱۹۴۹ء)، ڈرامے ''آنسو اور ستارے''(۱۹۵۳ء)، ''لہو اور قالین''(۱۹۵۱ء)، ''ستون''(۱۹۵۷ء)،

☆ اسسٹنٹ پروفیسر شعبہ اُردو، لاہور کالج برائے خواتین یونیورسٹی، لاہور۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

''فصیل شب''(۱۹۶۱ء)،''شیشے کی دیوار''(۱۹۶۲ء)،''پس پردہ''(۱۹۶۷ء)،''ماموں جان اور ماموں جان''(۱۹۶۸ء)، ''خاک نشین''(۱۹۷۵ء)،''شیشہ و سنگ''(۱۹۷۹ء)،خود نوشت ''مٹی کا دیا''(۱۹۸۱ء)،شخصی خاکے''ناخن کا قرض''(۱۹۸۲ء)، مرتبہ کتب''انمول کتابیں'' (۱۹۶۷ء)،تنقیدی مقالات،''بہترین ادب'' ۱۹۴۸ء تا ۱۹۵۵ء،تراجم ''جدید امریکی افسانے'' (۱۹۶۴ء)، ''پراسرار وادی''(۱۹۶۸ء)،واشنگٹن ارونگ''(۱۹۶۹ء)،''افق کے اس پار''ڈراما (۱۹۷۳ء) شامل ہیں۔ بچوں کے لیے بھی کتابیں لکھیں۔ پاکستان رائٹرز گلڈ سے بھی وابستہ رہے۔''پس پردہ'' پر آدم جی ادبی انعام ملا۔ میرزا ادیب نے ۳۱ جولائی ۱۹۹۹ء کو وفات پائی۔

میرزا ادیب کی خودنوشت''مٹی کا دیا''۱۹۸۱ء میں لاہور سے شائع ہوئی۔''مٹی کا دیا'' کا عنوان علامتی حیثیت رکھتا ہے اور حالی کے اس شعر سے ماخوذ ہے:

جھٹپٹے کے وقت گھر سے ایک مٹی کا دیا
ایک بڑھیا نے سر رہ لا کے روشن کر دیا

کتاب کے عنوان سے میرزا ادیب کی زندگی کے حالات و واقعات اور شخصیت کا عکس جھلکتا ہے۔ میرزا ادیب لکھتے ہیں:

''یہاں اس حقیقت کا اظہار بھی کرتا چلوں کہ جو کچھ لکھا ہے اس میں تاریخ اور جغرافیہ کے معینہ اصولوں کی پابندی نہیں کی اور کر بھی نہیں سکتا۔ میں نے تو اپنی زندگی کے بیتے ہوئے واقعات کو انہی صورتوں میں دیکھا ہے جس طرح وہ میری یاداشتوں کی دنیا میں محفوظ رہے ہیں۔''(۱)

''مٹی کا دیا'' میں میرزا ادیب کی شخصیت مرکزی نہیں ہے۔ جس عہد رفتہ کی تصویر انہوں نے دکھائی ہے اس کا مرکز گھرانہ ہے۔ وہ لکھتے ہیں:

''میں جب دنیا میں آیا تھا تو یہی تھے میرے خاندان کے افراد جو بیک وقت دو دنیاؤں میں رہتے۔ ان میں ایک دُنیا تھی۔ ہر فرد کے اپنے جذبات، اپنی امنگیں تھیں اور سب اپنے خوابوں، جذبات اور امنگوں کے سائے تلے عموماً دبے دبے، سہمے سہمے رہتے تھے۔ کوئی

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

جذبہ سراٹھاتا تھا تو خاندانی روایات کے سائے تیزی سے اس کی طرف لپٹ پڑتے تھے اور اسے بے بس کر دیتے تھے۔'' (۲)

میرزا ادیب نے اپنے ماحول کے اثرات قبول نہیں کیے۔ لکھتے ہیں:

''میرے اردگرد اندھیرا تھا۔ جہالت کا اندھیرا، قدامت پرستی کا اندھیرا، خاندانی بے حسی اور جمود و تعطل کا اندھیرا، اور مجھے اندھیرے، ان کی بلند دیواروں سے باہر نکلنا تھا۔ میری منزل ایک روشن دنیا تھی۔ افق تا افق منور، تابناک چمکتی دمکتی ہوئی۔'' (۳)

''مٹی کا دیا'' کے مطالعے سے ہم میرزا ادیب کی شخصیت کے اس پہلو سے روشناس ہوتے ہیں کہ انہیں اپنے جذبات پر قابو تھا۔ والد کی وفات پر اپنی حالت کا بیان کچھ اس طرح کیا ہے:

''میری حالت تو یہ تھی کہ میری آنکھ سے تو ایک آنسو بھی نہ ٹپکا۔ دیکھنے والوں نے سوچا ہوگا کتنا بے درد اور بے حس بیٹا ہے۔ باپ مرگیا ہے اور روتا ہی نہیں۔'' (۴)

میرزا ادیب نے اس کتاب میں اپنے بچپن کے لاہور کی عکاسی بھی کی ہے۔ مختلف تہواروں کا ذکر کیا ہے۔ ان دنوں ہندوؤں اور مسلمانوں کے مابین نفرت نہیں بلکہ محبت کی فضا تھی۔ دسہرہ، دیوالی، بسنت کے تہواروں میں مسلمان شریک ہوتے تھے۔ ہندو محرم میں سبیل لگاتے تھے۔ علاوہ ازیں میرزا ادیب نے لاہور میں ہونے والی پہلوانوں کی کشتیوں کا بھی ذکر کیا ہے۔ بقول مشفق خواجہ:

''مٹی کا دیا ایک فرد کی داستان حیات ہے اور ایک عہد کی ثقافتی دستاویز بھی۔ ہماری تہذیب و معاشرت کے بہت سے پہلو اس میں نظر آتے ہیں جنہیں اب فراموش کر دیا گیا ہے۔ یہ آپ بیتی گویا کھوئے ہوؤں کی جستجو ہے اور میرزا ادیب نے اپنی ذات کے حوالے سے پورے دور کی مرقع کشی کی ہے۔'' (۵)

اسی حوالے سے ڈاکٹر وہاج علوی کی رائے ملاحظہ کیجیے۔

''اس خودنوشت میں اب سے پچاس برس پہلے کا لاہور سانس لیتا ہوا محسوس ہوتا ہے۔ لاہور کے عوام کی زندگی اور ان کے رہن سہن کا پتہ چلتا ہے لیکن چونکہ امراء سے ان کا تعلق نہیں تھا اس لیے اس طبقے کے حالات کا ذکر خودنوشت میں نہیں کیا گیا۔'' (۶)

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

میرزا ادیب کے خاندان کے حوالے سے جس اہم کردار کا ذکر ان کی خودنوشت میں ملتا ہے وہ ان کی ''میری امی'' کا کردار ہے۔ انہوں نے اپنی والدہ کا ذکر جس عقیدت اور محبت سے کیا ہے اسے پڑھ کر ایک انتہائی سلجھی ہوئی گھریلو خاتون ہمارے سامنے آتی ہیں۔ وہ ہر وقت مصروف رہتیں، ہر ایک کو اہمیت دیتیں، ناشتے میں گھر والوں کو تازہ روٹیاں پکا کر دیتیں اور خود رات کی بچی ہوئی روٹی پر اکتفا کرتیں۔ میرزا ادیب کے ابا جی غصے میں آ کر حقے کی خالی یا بھری ہوئی چلم ان کی طرف پھینک دیتے۔ اگر چلم ٹوٹ جاتی تو وہ اس کی جگہ کوٹھری میں سے نئی چلم نکال کر لے آتیں۔ چلموں کا ذخیرہ ہمیشہ ان کے پاس موجود رہتا تھا۔ میرزا ادیب کے ابا جی قدرے سخت مزاج رکھتے تھے۔ انہیں تعلیم سے کوئی دلچسپی نہیں تھی۔ دو مرتبہ انہوں نے غصے میں میرزا ادیب کا بستہ اٹھا کر سراج دین دھوبی کی بھٹی میں ڈال دیا تھا۔ اس طرح ان کی ساری کاپیاں جل کر راکھ ہو گئی تھیں۔

میرزا ادیب کے بڑے تایا جی فارغ العقل تھے اور دوسرے تایا جی اپنے آپ میں مگن رہتے تھے۔ میرزا ادیب کی تین بہنیں بھی تھیں جو تعلیم حاصل نہ کر سکیں۔ ڈاکٹر سید عبداللہ لکھتے ہیں:

> ''میرزا ادیب نے ہر معاملے میں سچ بولا ہے۔ اپنے ماں باپ، دادا، دادی، بیوی، تایا جی، استاد، رسالوں کے مالک، دوست احباب سب کے بارے میں سچ بولا ہے۔ اگرچہ منکسر المزاجی ہر حال میں ساتھ رہی ہے۔ اپنی کمزوریاں بڑے وقار اور شرافت سے بیان کی ہیں اور بعض لوگوں کی طرح نہیں جو اپنے عیوب کی فہرستیں بنا کر اور ان سے مرقعے سجا کر اپنے لیے برتری کا انوکھا راستہ نکال لیتے ہیں۔''(۷)

انسان زندگی میں اکثر بے بسی محسوس کرتا ہے۔ میرزا ادیب نے انسانی بے بسی اور محرومیوں کا ذکر بھی منفرد انداز میں کیا ہے لیکن زندگی کے دکھوں کے بیان کے ساتھ ساتھ ان کی تحریر میں ایک جوش، ولولہ اور ایک عزم بھی دکھائی دیتا ہے۔ ان کا کہنا ہے:

> ''میں نے مٹی کا دیا اپنے پسینے اور لہو سے جلایا ہے اور مجھے پورا پورا اعتماد ہے کہ یہ دیر تک جلتا رہے گا۔ دیر تک اپنی روشنی بکھیرتا رہے گا۔ کیوں کہ ایک دیا خواہ وہ مٹی ہی کا کیوں نہ ہو جب اس میں جگر کا لہو جلایا جاتا ہے تو اس کی لو وقت کے جھونکوں کے سامنے لرز تو سکتی ہے

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

کبھی بجھتی نہیں ہے۔''(۸)

علاوہ ازیں میرزا ادیب کے زمانہ طالب علمی کا ذکر بھی بڑی تفصیل سے ''مٹی کا دیا'' موجود ہے۔ انہوں نے اپنے کالج کے چند ہم عصر جن میں سید ضمیر جعفری، حمید نظامی، تابش صدیقی اور نسیم حجازی شامل ہیں کا تذکرہ کیا ہے۔ ضمیر جعفری کے بارے میں لکھتے ہیں:

''وہ بڑے مانوس قسم کے شاعر تھے، عاشقانہ غزلیں کہتے تھے۔ اپنی سیاہ شیروانی پہنے ہوئے گراؤنڈ میں چلتے ہوئے یوں محسوس ہوتے تھے جیسے ایک بڑا کالے رنگ کا غبارہ ہوا کم ہو جانے سے گر پڑا ہے۔''(۹)

حمید نظامی کے بارے میں لکھتے ہیں:

''ان کی جیبیں گنڈیریوں، ریوڑیوں اور مونگ پھلی سے بھری رہتی تھیں۔ ایک جیب میری زد میں ہوتی تھی اور دوسری تابش کی زد میں''(۱۰)

نسیم حجازی کا ذکر کچھ یوں کرتے ہیں:

''نسیم حجازی میرے کلاس فیلو تھے۔ کالج گراؤنڈ میں لمبے لمبے ڈگ بھر کر کہا کرتے تھے ''دیکھنا میں کیسے کیسے اسلامی ''ناول'' لکھوں گا'' اور واقعی نسیم حجازی نے بڑے معرکے کے اسلامی ناول لکھے ہیں۔''(۱۱)

میرزا ادیب نے ''مٹی کا دیا'' میں کئی تحریکوں کا بھی ذکر کیا ہے مثلاً وہ ترقی پسند تحریک کو اردو کی ایک عظیم، ہمہ گیر اور انقلابی تحریک سمجھتے ہیں۔ میرزا ادیب کا خیال ہے کہ ایک تحریک بشرطیکہ اس میں زندہ رہنے کی توانائی موجود ہو اپنا عمل جاری بھی رکھتی ہے اور معاشرے کے ردعمل کے تقاضوں کے زیر اثر متواتر تبدیلیاں بھی قبول کرتی رہتی ہے۔ میرزا ادیب نے متعدد تحریکوں کے بارے میں معلومات فراہم کی ہیں جن میں احرار اسلام کی تحریک، ہندوؤں کی شدھی کی تحریک اور ترک موالات شامل ہیں۔ وہ لکھتے ہیں:

''میری زندگی پاک و ہند کی اس فضا میں بیتی ہے جس میں سیاست کی طوفان خیزی روز بروز بڑھتی ہی چلی گئی تھی۔ تحریک ترک موالات کے بھی کچھ مناظر میں نے اپنی آنکھوں کے سامنے دیکھے ہیں۔ یہ تمام مناظر جزئیات کے ساتھ میرے ذہن میں زندہ ہیں۔''(۱۲)

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

پروفیسر محمد منور لکھتے ہیں:

''میرزا ادیب نے پرسکون اور بے حس وحرکت دور میں آنکھ کھولی تھی مگر جب وہ کالج پہنچے تو فضا میں سیاسی گرم لہریں اٹھنا شروع ہو چکی تھیں۔رولٹ ایکٹ، مارشل لاء اور پھر جلیا نوالہ باغ کے حادثے نے آگے چل کر جو نتائج پیدا کیے۔ان نتائج کی بدولت جو سیاسی پارٹیاں وجود میں آئیں ان سیاسی پارٹیوں کی گرما گرمی کا نظارہ میرزا ادیب نے بھرپور کیا مجلس احرار کا وجود میں آنا اور مسجد شہید گنج کی تحریک بھی دیکھی بلکہ اس میں حصہ بھی لیا۔میرزا صاحب نے مسجد کے قریب جانے والوں پر ڈنڈے برستے دیکھے۔ایک ڈنڈا میرزا صاحب کے سر پر بھی پڑا۔''(۱۳)

میرزا ادیب نے دلی دروازے اور موچی دروازے کے باغوں میں اس زمانے کے جن مشہور لیڈروں کی تقریریں سنی تھیں ان کا ذکر ''مٹی کا دیا'' میں موجود ہے۔ان لیڈروں میں مولانا ظفر علی خان، عطا اللہ شاہ بخاری، چوہدری فضل حق، غازی عبدالرحمٰن اور ابوالکلام آزاد وغیرہ شامل ہیں۔

میرزا ادیب کے دوستوں میں نامور ادبی شخصیات جن میں کرشن چندر، راجندر سنگھ بیدی، کنہیا لال کپور، عصمت چغتائی، ڈاکٹر جمیل جالبی، ڈاکٹر وحید قریشی، ڈاکٹر سید عبداللہ، ڈاکٹر سلیم اختر اور مشفق خواجہ شامل ہیں۔ان کے مختصر خاکے بھی میرزا ادیب نے ''مٹی کا دیا'' میں بڑے دلچسپ انداز میں تحریر کیے ہیں۔

اسلوب کے حوالے سے بھی ''مٹی کا دیا'' اہمیت رکھتی ہے۔اس اسلوب کی نمایاں خصوصیت میرزا ادیب کا تخیل ہے جو بہت ہی توانا ہے۔انہیں منظر کشی میں بھی کمال حاصل ہے اور انہوں نے اپنی قوت مشاہدہ سے کام لے کر بہت دل کش انداز میں منظر نگاری کی ہے۔مثال دیکھیے۔

''درخت کی شاخیں ہلتی ہوئیں، پتے ایک دوسرے سے جھک جھک کر ملتے ہوئے، اردگرد کے درختوں سے ایک پراسرار سی آواز پھوٹتی ہوئی اور درختوں کے اوپر پرندوں کے جھنڈ اڑتے ہوئے اڑ اڑ کر ابر پاروں میں گم ہوتے گئے۔''(۱۴)

الفاظ کا برمحل استعمال میرزا ادیب کی تحریر کا خاصا ہے اور انہوں نے محاورات، تشبیہات اور

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

استعارات کا استعمال بھی کیا ہے۔سادگی اور سلاست بھی ان کے اسلوب کی نمایاں خصوصیت ہے۔بقول وہاج الدین علوی:

> '' میرزا ادیب کی خودنوشت اپنے اسلوب اور لسانی خصوصیات کے لحاظ سے منفرد ہے۔انفرادیت تو ہر خودنوشت کا امتیازی نشان ہے۔''مٹی کا دیا'' کا امتیاز اس کی تخلیقیت میں مضمر ہے۔اگرچہ ناول یا افسانہ نہیں ہے لیکن اسلوب پر افسانوی رنگ اور ناول کی فضا چھائی ہوئی ہے۔''(۱۵)

بحیثیت مجموعی کہا جا سکتا ہے کہ میرزا ادیب کا شمار اردو کی نامور ادبی شخصیات میں ہوتا ہے۔دیگر تصانیف کے علاوہ ''مٹی کا دیا'' بھی ان کی ایک اہم کتاب ہے جو داستان حیات ہونے کے ساتھ ساتھ ایک عہد کی دستاویز کی حیثیت بھی رکھتی ہے۔

☆☆☆☆

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

حوالہ جات

۱۔ ڈاکٹر رشید امجد، ۱۹۹۱ء ص ۴۰۹ تا ۴۰۸

۲۔ میرزا ادیب، مٹی کا دیا، لاہور، مقبول اکیڈمی، ۲۰۱۲ء، ص ۱۵

۳۔ ایضاً، ص ۳۰۰

۴۔ ص ۳۱۰

۵۔ فلیپ، مٹی کا دیا از میرزا ادیب، لاہور، مقبول اکیڈمی، ۲۰۱۲ء

۶۔ ڈاکٹر رشید امجد، میرزا ادیب شخصیت اور فن، لاہور، مقبول اکیڈمی، ۱۹۹۱ء ص ۴۲۰

۷۔ ایضاً، ص ۳۹۹ تا ۳۹۸

۸۔ میرزا ادیب، مٹی کا دیا، لاہور، مقبول اکیڈمی، ۲۰۱۲ء، ص ۴۱۰

۹۔ میرزا ادیب، مٹی کا دیا، ص ۲۶۳

۱۰۔ میرزا ادیب، مٹی کا دیا، ص ۲۶۴

۱۱۔ میرزا ادیب، مٹی کا دیا، ص ۲۶۵

۱۲۔ میرزا ادیب، مٹی کا دیا، ص ۲۱۴

۱۳۔ ڈاکٹر رشید امجد، میرزا ادیب شخصیت اور فن، لاہور، مقبول اکیڈمی، ۱۹۹۱ء ص ۴۲۹

۱۴۔ میرزا ادیب، مٹی کا دیا، لاہور، مقبول اکیڈمی، ۲۰۱۲ء، ص ۱۹۰

۱۵۔ ڈاکٹر رشید امجد، ص ۴۶۴

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com